تفسیر القاء الرحمٰن

ترجمہ

تفسیر الہام الرحمٰن

(سترویں قسط)

سبب قیام مشعوبیہ اور حنفیہ، شافعیہ کا اختلاف

مسلم اور ذمی کی مساوات عربوں کی نفسیں قبول نہیں کرتی تھیں لیکن عجمیوں نے اس کو فراموش نہیں کیا۔ اسی وجہ سے عرب و عجم میں اختلاف رہا اور یہی سبب ہے حنفیہ اور شافعیہ کے درمیان اختلاف کا۔

تنبیہ

شیخ رشید رضا مرحوم کا تعصب

ہمیں اپنے بعض معاصرین شافعیہ پر تعجب ہوتا ہے کہ جب یہ لوگ یورپ میں اسلام کی تبلیغ کرنا چاہتے ہیں اور دعوت اسلام پہنچانے کے لئے بے قرار ہوتے ہیں تو ان کے لئے ممکن نہیں ہوتا اور مسئلہ خاص میں حنفیہ مسلک اور خیالات کے بغیر کام نہیں چلتا تو فقہ حنفی کو لے لیتے ہیں اور جب وہ اپنے گھروں اور مجلسوں میں بیٹھتے ہیں، فقہاء حنفیہ کی تنقیص و تحقیر کرتے ہیں ——— یہاں یہ تنبیہ ختم ہوئی۔

قولہٗ تعالیٰ	خدا کا فرمان!
وَالصَّابِرِيْنَ فِي الْبَأْسَاءِ وَ	در تنگی و تکلیف میں اور تنگی کے وقت صبر کرنے
الضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَأْسِ ط	والے ہیں۔

وہ تکالیف اور مصائب جو انسان کو ایک خاص متعین برنامج، پروگرام، یا دستور العمل کے لئے اٹھانی پڑتی ہیں وہ لاحق ہوں اور اس کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تکالیف و مصائب داخلیہ ہیں مثلاً باس اور ضراء یعنی خوف اور نقصانات جو مسلمان پر فرائض کی ادائیگی میں پیش آتی ہیں اور اسکو

ادائیگی فرائض کی مہلت نہیں دیتی۔ یا یہ کہ لوگ اس کی موافقت نہیں کرتے کہ معیشت و معاشرت میں اس کا برنامجہ، پروگرام اور دستور العمل ان سے مختلف ہے۔ یہی اللہ تعالیٰ کا قول ہے، حِیْنَ الْبَاْسِ

اور یہ وہ مصائب اور تکالیف ہیں جو قتال و جنگ کے وقت اعداء سے عدم ترک فرائض اور فرائض دوام و ہمیشگی کی وجہ سے لاحق ہوتی ہیں۔ اس کو صبر کرتے ہیں۔ اور اس جملہ کی یعنی صبر کی دوسری تعبیر بھی کی گئی ہے جو ہم نے اس قول خداوندی سے سمجھی ہے۔

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ	اور ان لوگوں کو جو اللہ کی راہ میں قتل ہوئے ہیں،
اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْیَآءٌ وَّلٰکِنْ لَّا	مردہ مت کہو۔ بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تم سمجھ نہیں سکتے
تَشْعُرُوْنَ ۱۵۴ وَلَنَبْلُوَنَّکُمْ بِشَیْءٍ مِّنَ	اور ہم تم کو کچھ خوف اور بھوک اور مالی نقصان اور جانوں
الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ	کے نقصان سے آزماتے ہیں۔ اور صبر کرنے والوں کو خوشخبری
وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ؕ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ	سنا دو

یعنی وہ اخلاق جس کا ہم نے پہلے ذکر کیا ہے کسی چیز سے مقید نہیں ہیں ور ذکر اللہ۔ یعنی اللہ کا ذکر تو اس کو خاص صورت سے قائم کرنے کی تقیید کی ہے۔

اور "شکر" یہ ہے کہ زکاۃ دی جائے اور عہد کو پورا کیا جائے اور صبر یہ ہے کہ باس، اور ابتلا بالخوف اور جوع کے وقت صبر کیا جائے تاآں کہ اگر شہید ہو جانا پڑے تو شہید ہو جائے

اور قول خداوندی

اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا ؕ	یہی لوگ ہیں جو سچے اور یہی لوگ پرہیزگار ہیں
وَاُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ۱۷۷	

اس آیت کی تشریح ہم شروع کلام میں کر چکے ہیں دوبارہ اس کی تشریح کی ضرورت نہیں ہے۔

مسئلہ اجتماعیۂ متوسطہ کے بارے میں

اگر کوئی سوال کرے انسان کی قیمت کیا ہے اس کا جواب آئندہ آنے والی دو آیتوں میں ہے یعنی آیت ۱۷۸ سے ۱۷۹ میں ہے

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ	مسلمانو! تم میں جو لوگ مارے جائیں ان کے بارے

اَلْقِصَاصُ فِی الْقَتْلٰی ؕ اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰی بِالْاُنْثٰی ؕ فَمَنْ عُفِیَ لَهٗ مِنْ اَخِیْهِ شَیْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَآءٌ اِلَیْهِ بِاِحْسَانٍ ؕ ذٰلِكَ تَخْفِیْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ ؕ فَمَنِ اعْتَدٰی بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۱۷۸ وَلَكُمْ فِی الْقِصَاصِ حَیٰوةٌ یّٰاُولِی الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۱۷۹	تم کو جان کے بدلہ میں جان کا حکم دیا جاتا ہے۔ آزاد کے بدلہ آزاد اور غلام کے بدلہ غلام اور عورت کے بدلہ عورت، اور پھر جس قاتل کو اس کے بھائی سے کوئی معاف کر دیا جائے تو مقتول کی طرف سے اس کا مطالبہ دستور شرع کے مطابق قاتل کی طرف سے وارث مقتول کو خوش معاملگی کے ساتھ خون بہا کا ادا کرنا ہوگا۔ یہ تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے حق میں آسانی ہے اور مہربانی ہے پھر اس کے بعد جو زیادتی کرے تو اس کے لئے عذاب دردناک ہے اور عقلمند و قصاص کے قاعدہ میں تمہارے لئے زندگی ہے اور اس غرض سے یہ قاعدہ جاری کیا گیا ہے تاکہ تم خونریزی سے بچتے رہو۔

اس جواب کا ماحصل یہ ہے انسانیت کی چند صنفیں اور قسمیں ہیں یا جنس منقسم الی الانواع ہے اس نوع کے ہر فرد یا صنف کی ہر قسم میں مساوات ہے پھر اصناف کے اجماع سے اجتماع سے جنس بنتی ہے۔ انسانیت تامہ کی مساوات وجود کے اعتبار سے ناممکن ہے اور وہی ممکن ہے جس پر اجتماعیہ مرتکز اور قائم ہو اور وہ نقط مساوات اصناف ہے یعنی نقط صنفوں میں مساوات ممکن اور بس۔

قولہ تعالیٰ	خدا کا فرمان!
كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ	تم پر قصاص فرض کیا گیا ہے۔

اس کی تفسیر امام ولی اللہ نے اپنی تفسیر "فتح الرحمٰن" اور "حجۃ اللہ البالغہ" اور "مسوی" میں مماثلت اور مساوات سے کی ہے اور یہ وہ تفسیر ہے جسے ہم فقہاء کے پاس نہیں پاتے۔

فضیلت و شرافت جبلی نہیں ہے

ہمارے نوجوانوں میں نظریۂ مساوات اجتماعیۂ غربیہ یعنی یورپ کی تقلید سے شائع اور عام ہوا ہے یہ نوجوان سمجھتے ہیں کہ تمام ادیان اور خاص کر اسلام اس نظریہ کے خلاف ہے اور یہ لوگ اپنے خیالات علم د

معرفت، اور اپنی اپنی فکر و بصیرۃ کے اعتبار سے فکر اسلامی سے دور ہو گئے یہ ہمارا تجربہ ہے۔ بلکہ ان داعیان اسلام کی جو عدم مساوات کے قائل ہیں اور جو دعوت دیتے ہیں عظمت و ملوک و سلاطین اور امت و قوم کی شرافت پر قبلۃً اور خلقتاً بلا کسی وصف اور بلا کسی عدل و انصاف اور دین کے ایسے ہیں ان کی تحقیر و تذلیل کرتے ہیں۔ اور یہ مرض ہمارے فقہاء اور علماء اور غیر علماء میں بہت زیادہ رہا ہے۔ بلا تحقیق بلا سوچے سمجھے اپنے سلاطین کی تعریف و تحسین کرتے رہتے ہیں۔ جب ان فقہا میں کوئی نوجوان کو اسلام کی دعوت دیتا ہے تو یہ نوجوان پہلے سے زیادہ اسلام سے نفرت کرنے لگتے ہیں کیونکہ ان نوجوانوں نے حریت و مساوات کے معنی انقلاب فرانس کے زمانہ سے معلوم کر رکھے ہیں۔ اور یہ انقلابیوں کی کتابیں پڑھتے رہتے ہیں۔ اور اسلام سے حُسنِ ظن بھی رکھتے ہیں کہ اسلام بھی مساوات اور انقلاب کی دعوت دیتا ہے۔ جب یہ نوجوان اپنے فقہاء اور علماء سے اپنے ظن و گمان کے خلاف سنتے ہیں تو دوبارہ اسلام کے قیام و غلبہ سے مایوس ہو جاتے ہیں۔ اور ایمان اسلام کی طرف دعوت و ہدایت اور ان کی اتباع ناممکن ہو جاتی ہے یہ حال عام علماء و فقہاء کا ہے۔

جب ہم ان کے قریب ہوئے اور ہم نے قصاص کے معنی سمجھائے تو صرف رخوئی کیا کہ اس بارے میں ہم نے شیخ کی نصوص و تصریحات پیش کیں۔ پھر ہم نے اللہ تعالیٰ کی اس آیت کی قوت بتلائی۔

وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰاُولِي الْاَلْبَابِ — اے عقلمند — قصاص میں تمہارے لئے زندگی ہے۔

یعنی مماثلت و مساوات میں تمہارے لئے زندگی ہے

لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ — تاکہ تم تقویٰ حاصل کرو

یعنی تم عدل و انصاف اور احسان کو قائم کرو جب ہم نے آیت کی یہ تشریح کی تو یہ نوجوان حیران اور مبہوت ہو کر رہ گئے اور اپنی لاعلمی پر افسوس کرنے لگے۔ اور دل کے تمام تفسیروں سے انکار کر دیا اور حضرت امام ولی اللہ کی امامت کے قائل اور معتقد ہو گئے۔

جب ہم ہندوستان میں تھے۔ امام ولی اللہؒ کی امامت کی طرف دعوت دینے میں کمزور تھے کیونکہ مسلمان علماء اور فقہاء رسم ایسے بہت تھے جو ہم سے اس بارے میں جھگڑنے کے لئے کھڑے ہو جاتے تھے پھر جب ہم نے یورپ کی سیاحت کی تو معلوم ہوا کہ جس اجتماعیۃ کی طرف یہ فقہاء اور علماء دعوت دے رہے وہ ہلاکت و بربادی اور زوال کے کنارے کھڑے ہیں۔ ہم بہت خوش ہوئے اور ہم نے امام ولی اللہ کی

امامت کی دعوت پر پوری طرح قادر ہیں۔ کیونکہ تمام نوجوانوں کی عقلیں تمام معارف قرآنیہ میں برابر نہیں ہیں، نہ مستقیم ہیں مگر یہ کہ ہم اس کے مثل پیش کریں، وگرنہ وہ فقہاء اور علماء جو یورپ کی اتباع کرتے ہیں اور اشتراکیین کے ساتھ مل کر دعوت دے رہے ہیں ہمارے نوجوانوں کی عقلیہ کو ہم جانتے ہیں یہ نوجوان ان فقہاء اور علماء کو یورپ کا خادم اور معاون سمجھتے ہیں۔ کیونکہ یہ فقہاء اور علماء اسلام اور قرآن کی اتباع یورپ کے وسیلے اور ذریعے سے کرتے ہیں لیکن کسی ایسے آدمی کی امامت کی طرف دعوت دینا جو قرآن کی تفسیر اصول حکمت کی رو سے دیتا ہے وہ شخص اسلامی دعوت ہے جو ان کو اسلام کے متعلق قناعت بخش سکتی ہے۔ اس کی افضلیت اور لوگوں کا یورپ کے دعاوی سے تحفظ اسی طرح ممکن ہے۔

امام ولی اللہؒ نے مسوی میں فرمایا ہے:

وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ — تمہارے لئے قصاص میں زندگی ہے۔

یعنی تمہاری بقاء اور زندگی مماثلت و مساوات کے اعتبار کرنے میں ہے۔

اور فرماتے ہیں میرے نزدیک ظاہر اور واضح وجہ یہ ہے کہ "قصاص" بھی مماثلت مساوات ہے اور "کتب علیکم" کے معنی مماثلت کا اعتبار کرنا ہے نہ اعتبار فخر و غنا اور شرافت و رذالت کا۔

حجۃ اللہ البالغہ میں فرماتے ہیں۔ قصاص کے معنی برابری اور مساوات کے ہیں یعنی دو کو درجۂ واحدہ میں اور ایک ہی حکم میں داخل کر دینا کہ ایک دوسرے پر فضلیت نہ رکھے نہ اس کی جگہ دوسرے کو قتل کرے امام ولی اللہؒ کا قول "نہ اس کی جگہ دوسرے کو قتل کرے" یہ تفسیر مشہور کی تردید ہے جیساکہ فتح الرحمٰن میں فرماتے ہیں۔

لازم کردہ شد بر شما قصاص یعنی اعتبار مماثلت۔ تم پر لازم کیا گیا ہے قصاص یعنی مماثلت کا اعتبار کرنا یہ الفاظ امام ولی اللہؒ سے بے معنی نہیں نکلے۔ بلکہ غور و تدبر اور فکر و معانی تلر کے بعد نکلے ہیں۔

قولہٗ تعالیٰ	خدا کا فرمان!
اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ	آزاد آزاد کے بدلہ میں اور غلام غلام کے بدلہ میں
وَالْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى ط	اور عورت عورت کے بدلہ میں۔

ہمارے فقہاء نے مرد و عورت کو مستقل و ممتاز دونوں میں گردانی ہیں اور انسانیت کو دونوں میں

مساوی گردانا ہے جیساکہ اراز ہیر د کہتے ہیں کہ انسان ایک نوع ہے اس کی ماہیت و حقیقت میں تشکیک نا ممکن ہے بلکہ تمام افراد ماہیت اور حقیقت یکساں صادق آتی ہے ۔

یہ قول محض خیال ہے ۔ اس افراد انسانی سے ماخوذ و مستنبط نہیں ہے نہ یہ حظیرہ القدس میں مکشوف ہے اس کا قول کرنا اور اس منہج تقلید کرنا اجتماعیات کو فاسد اور خراب کر دیتا ہے ۔

اور صحیح مذہب جو تمام کا معمول ہے یہی ہے کہ مرد و عورت خلقت مختلف ہے اور ایسی مختلف ہے کہ جیسی ایک جنس دو نوعوں میں مختلف ہے اور اسی بنا پر بعض افراد کا لحاظ کسی ایک سے دوسرے سے نفی تنوع کو واجب اور لازم نہیں ہے اس کے خلاف قول کرنا انخذاج فطرت اور فطرۃ سے اس کو سلب کرنا ہے ۔

ہم ایک عورت کو دوسری عورت کے اور ہر مرد کو دوسرے مرد کے مساوی گردانتے ہیں اس سے نوع کا حکم باقی رہتا ہے ۔

پھر اجتماعیات مخصوصہ جن کی بنا مختلف اصول متصارعہ پر ہے انواع کو مختلف اصناف میں تقسیم کرتے ہیں ۔ مثل ایک نوع کے ۔ اور جب امتیں اور قومیں باہم جنگ و قتال کے مضطر اور مجبور ہوتی ہیں ۔ اس وقت لابدی ہو جاتا ہے کہ ان میں سے ایک امت دوسری امت کو فنا اور برباد کر دے ۔ اس وقت یہ ایک دوسری کے مساوی نہیں ہوتیں ۔ بلکہ یہ انسان حیوانا مفترسہ جیسے ہو جاتے ہیں ۔ اس وقت ایک کو دوسرے کے مساوی گردانا اجتماعیات کو فاسد اور باطل کر دیتا ہے اور اسی بنا پر ہم امت محارب کو اپنا اسیر گردانتے ہیں اور اسی طرح ایک مخالف صنف کو ہماری صنف کے خلاف سمجھتے ہیں ۔ اور تمام افراد کو ہم ایک دوسرے کے مساوی گردانتے ہیں ۔ اور مقابلہ ہر فرد کے جو مساوی فرد آخر ہے اس سے تین قسمیں بنتی ہیں ۔ ۱۰

اول ، محارب اسیر و قیدی ۔ جن کی تعبیر ہم اسیر و قیدی سے کرتے ہیں ۔

دوم ، وہ جس کی تعبیر ہم حر اور آزاد سے کرتے ہیں ۔

سوم ، الانثیٰ بالانثیٰ ہے جس کی تشریح کی گئی ہے ۔

پس اعتبار مساوات کل افراد نوع میں کرنا ایک فرض لازم ہے

لیکن مساوات ایک صنف فرد کی دوسرے صنف فرد سے کرنا ایک مصنوعی چیز ہے اور تم

اصطلاحات اور معاہدات اور قضاء کا تتبع کرو تو معلوم ہوگا - یہ ان اصول سے ہے ہی نہیں جو قرآن میں مذکور ہے یہ تمام اقتضاء وقت ہے اور اولو الامر حاکم وقت اس بارے میں جو اصلح اور انفع سمجھے فیصلہ دے۔

اجتماعیۂ انسانیہ میں انسان کی قیمت!

ان آیات سے اجتماعیات اسلامی میں انسان کی قیمت واضح ہوگئی۔ کسی چیز کی قیمت اس کی فنا کے بعد ہوتی ہے یعنی جب چیز مفقود ہو جائے تو اس کی قیمت متعین و مقرر ہوا کرتی ہے جب ایک انسان دوسرے انسان سے کوئی معین چیز لیتا ہے تو اس کا فرض ہے کہ وہ بعینہٖ وہی چیز اس کو واپس کر دے لیکن جب اس چیز کو وہ مفقود کر دے اور لینے والے کے ہاتھ سے وہ چیز مفقود ہوگئی اس وقت یہ دونوں تعین قیمت پر متفق ہو جائیں — دونوں کے دونوں متفق ہوں گے تب ہی قیمت متعین ہوگی اور چیز کی قیمت اس چیز کی فنا کے بعد ہی متعین ہوگی۔

میں نے اس قاعدہ کو ہدایہ میں بہت دفعہ دیکھا ہے۔

اور قرآن عظیم میں اس کی قیمت اس کے قتل کے بعد ہوتی ہے یہ اشارہ اسی حکمت کی طرف ہے۔

اور یہ تفسیر امام ولی اللہؒ حجۃ اللہ البالغہ اور مسوی سے واضح ہو جائے گا۔ اور اس میں سیر کن کلام اور ہر تفسیر جو اس کے مخالف ہے اس کی تردید ہو جائے گی۔

اور یہی نظریات ہیں جن کی بناء پر ہم نے امام ولی اللہؒ مجتہد مطلق اور حجۃ مستقل کی قسم سے گردانا ہے ہم ان کو امام ابو حنیفہؒ اور امام مالک وغیرہما کے مثل مانتے ہیں۔

امام ولی اللہؒ کے متعلق اس قسم کے کلمات اور الفاظ کہتے ہیں تو وہ ہمارا مذاق اڑاتے ہیں باوجود اس کے کہ یہ لوگ امام "مہدی" کے متعلق ایسا اعتقاد رکھتے ہیں کہ گو ان کو نبی نہیں مانتے مگر ایسی فضیلتیں اور چیزیں پیش کرتے ہیں جو آنحضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں تھیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کو تشبیہ دیتے ہیں۔

یہ عجیب قسم کا جہل ہے امتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم میں امام ابو حنیفہؒ اور امام مالک جیسا آدمی ہو اور تو یہ اعتقاد رکھیں کہ ایک شخص خاتم النبیین جیسا ہو سکتا ہے ———— یہ مسئلہ تمام ہوا والحمد للہ۔

مسئلہ

قرآن نے مال مکتسبہ میں حق تصرف رکھا ہے

قیمت اموال: یعنی وہ چیزیں جن سے انسان اپنی زندگی میں ارتفاق کے ماتحت فائدہ اٹھانا چاہیے وہ کیا چیز ہے؟ اس کا ماحصل جواب یہ ہے کہ وہ ہر وہ چیز جو انسان نے اپنے کسب سے خیر و برکت حاصل کی ہے اس میں اسے تصرف کا حق حاصل ہے مگر اس وقت حق تصرف نہیں ہوگا کہ اس نے اس کو گناہ سے حاصل کیا ہو۔ یا اخلاق سیاسیہ کے مخالف ہو یا اس نے حقوق اجتماعیہ معینہ میں کوئی گناہ کیا ہو۔ اور جو لوگوں میں مشہور و معروف ہو اس کے خلاف کیا ہو۔ اور یہ اس کی موت کے وقت ظاہر ہوتا ہے پس اس کو حق حاصل ہے کہ اپنے مال کی وصیت جس طرح چاہے کرے مگر جنف اور اثم زیادتی اور گناہ نہ ہو۔

جب ہم نے اس طریقہ پر ان تین آیتوں کی (۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲) کی تفسیر کی تو ہمارے نوجوان حقوقیین اس پر تعجب کرنے لگے۔

كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ
الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرًا ۚ
الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ
بِالْمَعْرُوفِ ۖ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ ۱۸۰
فَمَنْ بَدَّلَهُ بَعْدَمَا سَمِعَهُ فَإِنَّمَا
إِثْمُهُ عَلَى الَّذِينَ يُبَدِّلُونَهُ ۚ
إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۱۸۱
فَمَنْ خَافَ مِنْ مُوصٍ جَنَفًا
أَوْ إِثْمًا فَأَصْلَحَ بَيْنَهُمْ فَلَا
إِثْمَ عَلَيْهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ
رَحِيمٌ ۱۸۲

مسلمانو تم کو حکم دیا جاتا ہے کہ جب تم میں سے کسی کے سامنے موت آموجود ہو اور وہ کچھ مال چھوڑنے والا ہو تو ماں باپ اور رشتے داروں کے لئے اچھی طور پر وصیت کر مرے۔ جو خدا سے ڈرتے ہیں۔ ان پر ان کے اپنوں کا یہ حق ہے۔ پھر جو وصیت کو کچھ کا کچھ تو اس کا گناہ ان ہی لوگوں پر ہے۔ جو وصیت کو بدلیں بے شک اللہ سب کی سنتا ہے اور سب کچھ جانتا ہے۔ پھر اگر وصیت کرنے والے کی جانب سے کسی کی طرفداری یا کسی کی حق تلفی کا اندیشہ ہو اور اس نے اس میں اصلاح کرادی تو اس پر کوئی گناہ نہیں بے شک اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا بڑا مہربان ہے۔

اس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ کسی کی طرف داری یا کسی کے حق کا اندیشہ یعنی کسی کی خواہ مخواہ طرفداری

اور حق تلفی سے کیونکر رد کیا جائے
نیز یہاں یہ بھی بیان ہے دو آدمیوں میں جب جھگڑا ہو جائے تو اس جھگڑے کو کیونکر ختم کیا جائے
اور مصالحہ عامہ حق مال میں حقوق اسلامیہ باہمی کی اصل الاصول ہے۔

وہ لوگ اس معروف کو جو خلفاء بنی عباس کے زمانے میں تھا۔ آج ہم اس سے بہت بدل چکے ہیں اور وہ قانون جس بنا پر بنا ہے۔ اس کو اسی طور پر نافذ کرنا جس طرح اوامر قرآنیہ کو اس وقت نافذ اور جاری کیا جاتا تو ایسا کرنا والا اجہل ہے اور اسلام کا سخت ترین دشمن ہے۔

قدیم معروف کو جدید کے مساوی سمجھنا جہالت ہے

یہ کوشش کی جائے کہ جماعت فقہاء و مجتہدین ایک جگہ جمع ہوں۔ اور ان مسائل پر غور و تدبر کریں اور جو نئے پیدا ہو رہے ہیں جن میں ہمیشہ تغیر و تبدیلی ہوتی رہتی ہے اور ایسا کرنا تمام مسلمانوں کا فرض کفایہ ہے اگر مسلمان اس میں غفلت کریں گے تو مسلمان قانون امور قضائیہ کو چھوڑ دیں گے اور آزاد بے قید ہو جائیں گے۔ اور ہم نے اس مصلحت و حکمت اور مسئلہ میں فقہاء احناف سے زیادہ پیش قدمی کرنے والا کسی کو نہیں پایا۔ لیکن یہ ہمارے شیوخ و اساتذہ کے طریقہ پر کہ امام ولی اللہؒ کی اتباع کریں یہ حضرات ہمیشہ فقہ پر غور و تدبر کرتے رہے ہیں۔ چنانچہ امام ولی اللہؒ اپنی کتاب "فیوض الحرمین" میں لکھتے ہیں:

> مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معلوم کرایا ہے کہ حنفی مذہب میں ایک طریقہ نہایت ہی عمدہ ہے جو اوفق اور مستند اور معروف طریقہ ہے۔ یہ طریقہ امام بخاری اور ان کے شاگردوں کے زمانہ میں جمع کیا گیا۔ اور اس کی تنقیح کی گئی۔
>
> اور یہ اس طور پر کہ پہلے تین اماموں کے اقوال جو مسئلہ میں اقرب ہوں منتخب کرلیں اس کے بعد ان فقہاء کے مختارات کو لیں جو علماء حدیث ہیں۔

میں نے ایک نسخہ خود دیکھا ہے جو اصل نسخہ "فیوض الحرمین" کا ہے جو امام ولی اللہؒ نے سب سے پہلے مختصر لکھا تھا۔ یہ قلمی نسخہ بعض اہل مکہ کے پاس موجود ہے اور اس میں یہ الفاظ زیادہ ہیں (کا لحافظ الطحاوی) یعنی جو فقہاء علم و حدیث میں ہیں ان کی طرف رجوع کیا جائے۔ مثلاً حافظ طحاوی۔
— یہ زبانی ختم ہوئی۔

امام ولی اللہؒ فرماتے ہیں:

ایک چیز اصولاً تینوں کے ہاں موجود اور تینوں کے تینوں اس کے قائل ہیں۔ ان میں سے کسی نے اس کی نفی نہیں کی۔ اور احادیث بھی اس پر دلالت کرتی ہیں تو اس کا ثبوت یقینی ہو جائے اس کے اثبات کے بغیر چارہ نہیں ہے۔ اور یہی مذہب حنفی ہوگا۔

میں کہتا ہوں اس قاعدہ ہم تجدیدات میں امام ولی اللہ اور ان کے شاگردوں کا اضافہ کرتے ہیں، مذہب حنفی کے اعتبار کرنے میں ہم اس آخری عصر میں تمام مذہبوں میں ان کے مثل نہیں پاتے۔

اور امام ولی اللہؒ فیوض الحرمین میں دوسرے موقع پر فرماتے ہیں۔

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روحانی سوال کیا اس سے پہلے بھی چند بار ہم کو آگاہ کیا تھا آپ نے میری طرف ایک بار پھر دوسری بار بھونکا تو مجھ پر ظاہر ہوا اللہ تعالیٰ کی مراد یہ ہے ان تجمع شملا من شملة الامة المرحومة یعنی اس بکھری امت مرحومہ کو اپنے گرد جمع کرلو اور زعمات میں قوم مخالفت سے اجتناب کرو کیونکہ یہ مخالفت اللہ ... مراد و مقصد کے مناقض اور مخالف ہے۔ اس سے اس نے چند نمونے پیش کیۓ جس سے مجھ پر ایک کیفیت طاری ہو گئی۔ اس میں سمجھا کہ میں سنت کی تطبیق فقہ کے مطابق کروں۔ تین اماموں کے اقوال میں پہلے لے لوں اور ان میں جو عموم ہے اس کی تخصیص کرلوں اور ان کے مقاصد سے واقف ہو جاؤں اور اس پر اختصار کروں جو جو الفاظ حدیث میں سمجھتا ہوں اور اس میں نہ کوئی تاویل بعید کروں نہ بعض احادیث کا ٹکراؤ ہے اور کسی امام کے قول کو چھوڑ رہے ہیں۔ یہ طریقہ پوری طرح مسئلہ بکو حل کر دیتا ہے اور کمال کا درجہ رکھتا ہے کیونکہ یہ کبریت احمر اور اکسیر اعظم ہے۔ انتہی۔

امام ولی اللہ خاص الخاص حنفی ہیں

خدا کے فضل سے میں نے اس طریقہ کی تکمیل کی کوشش کی اور سات برس تک میں فقہ حنفی کے مطابق اس کی تکمیل کرتا رہا۔ اور الحمد للہ کہ اس کے فضل سے یہ طریقہ ہمارے لئے اقدام کا موجب ہوا۔ اور ہم اس وصیت کی رُو سے امام ولی اللہؒ کو خاص الخاص حنفی مانتے ہیں۔

دوسرے موقع پر امام ولی اللہ فرماتے ہیں:

جاننا چاہیئے کہ د ۸۳ مذاہب کسی حقیقت سے موصوف ہوتے ہیں۔ ہم نے اس پر بہت غور و تدبر کیا تو اس سے ہم نے دو معنی پائے۔ ایک جلی معنی، دوسرے دقیق جو دور سے دیکھے جاتے ہیں۔ یعنی کچھ کد و کاوش کے بعد سمجھے جاتے ہیں ——— پھر فرماتے ہیں ——— یہی حال مذاہب کا ہے عنایت خداوندی کاملت حقہ کی حفاظت کرنا چاہتی ہے اور معدات کے لحاظ سے کسی خاص مذہب کی طرف متوجہ ہوتی ہے۔ اس طرح اس مذہب کی حفاظت کے لئے کچھ لوگ کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اور ملت کے لئے ان کے اندر ایک قسم کا موز شعار ہوتا ہے جس کے بعض مقبول ہوتے ہیں اور یہی شعار حق و باطل کے اندر فرق پیدا کرتا ہے۔ اس وقت ملاء اعلیٰ اور ملاء سافل اس بات پر متفق ہو جاتے ہیں۔ اور ان کے مدارک و اذہان کے مطابق ملت کے احکام کلیہ کو اس صورت خاص سے مقید گردانتا ہے اور اس سے یہ مذہب حق بن جاتا ہے۔

پھر اس کے بعد امام ولی اللہ فرماتے ہیں:

لیکن دقیق معانی وہ ہیں جس پر نور نبوی کے سوا جو کاشف احکام تدبیر قاہرہ منتشرہ پر ہوتے ہیں۔ کوئی دوسرا واقف نہیں ہوتا۔ اور اسی بناء پر ہم کہتے ہیں یہ دقیق معنی بعید سے دیکھے جاتے ہیں۔

اس تمہید کے بعد ہم کہتے ہیں ہمیں دکھایا گیا ہے کہ مذہب حنفی میں ایک سر غامض موجود ہے۔ پھر ہم نے اس غامض کو دیکھا اور ٹٹولا تو آج دن تک اس مذہب کی طرف زیادہ سے لوگوں کا رجحان پایا۔ اور اسی معنی دقیق کی رو سے پایا۔ اگر اول معنی کی رو سے بعض دوسرے مذاہب کو زیادہ نفع بخش پایا اس کو تم اپنی کچیلیوں سے مضبوط پکڑے رہو ——— انتہی ———

شیخ امام ولی اللہ نے اپنی بعض کتب میں تصریح کردی ہے کہ وہ عملاً حنفی تھے۔ لیکن وہ تعلیم حنفی اور شافعی دونوں مذہبوں کے رد سے دیا کرتے تھے[1] اس سے ثابت ہوتا ہے کہ امام ولی اللہ خواص آئمہ حنفیہ

(1) کیونکہ دنیا میں زیادہ تر یہی دو مذہب رائج ہیں۔ علاوہ ازیں دوسرے مذاہب کے بعض مسائل بھی ان میں کھپ جاتے ہیں۔
ابوالعلاء محمد اسمٰعیل گودھروی کان اللہ لہٗ

میں سے تھے اور ہم طریق حنفیہ میں سے ایک طریقہ پر ہیں :

کتاب التمہید ائمۂ مجتہدین کے لئے لکھی گئی ہے

بعض لوگ حنفیہ کو پسند نہیں کرتے اور چاہتے ہیں کہ ان میں سے کوئی ایسا امام ہو ایسے لوگوں کی تردید میں رسائل التمہید فی ائمۃ التجدید" لکھی گئی ہے ہم نے اس کی کتابت کا مادہ بھی کر لیا تھا لیکن منظور خدا ہماری داد ان ائمہ سے ہندوستان کے چار امام ہیں۔ پہلے امام ، امام ربانی شیخ احمد سرہندی ہیں یہ خالص حنفی ماتریدی تھے۔

دوسرے امام سلطان اعظم خاتم سلاطین ہند ہیں۔ جن کا ہندوستان کی قدیم تاریخ میں (اشوکا) کے بعد کوئی نظیر نہیں ملتا۔ یہ سلطان کبیر ہندوستان میں بڑے درجہ کے تھے اور یہ سلطان محی الدین عالمگیر اورنگزیب ہیں۔ اور شیخ عبدالرحیم امام ولی اللہ کے والدان علماء میں سے تھے۔ جن کو سلطان عالمگیرؒ نے اجتماعیہ میں جمع کر لیا تھا۔ جنھوں نے فقہ حنفی کو منظم کیا تھا۔ انھوں نے فقہ حنفی کو فتاویٰ عالمگیری میں مدون کیا جس کا نام فتاویٰ ہندیہ ہے اس فتاویٰ میں جو کچھ ان علماء کرام نے جمع کیا تھا۔ ساری مملکت میں اس کی نشر و اشاعت ہوئی۔ جو سلطان کے اخلاف میں بھی قریب ایک سو برس تک جاری رہا۔ اور بعد میں بھی جاری رہا۔

تیسرے امام، امام ولی اللہ دہلویؒ حنفی ہیں

اور چوتھے امام، امام عبدالعزیز دہلوی ہیں۔

بعض لوگوں نے امام ولی اللہؒ کی حنفیہ میں کچھ شبہ کیا ہے کیونکہ یہ حنفی اور شافعی کا ایک ساتھ درس دیا کرتے تھے۔ اور اس لئے دونوں میں درس دیا کرتے تھے کہ اجتماعیۃ عالمیہ اسلامیہ پر انہیں بحث کرنا مقصود تھی۔ اور اس لئے فقہ حنفی اور فقہ شافعی کا درس دینے پر مجبور تھے تاکہ مسلمانوں کا ایک جامع نظام بنا سکیں۔ لیکن عمل کے لحاظ سے اپنے آدمیوں میں خالص حنفی تھے۔

ہم امام ولی اللہ اور انکے شاگردوں کے طریقہ پر ہیں

لیکن امام ولی اللہؒ کے فرزند امام عبدالعزیزؒ نے ہندوستان کے لئے ایک طریقہ منظم کیا جو اپنے والد کی تعلیم سے ماخوذ تھا۔ یہ عملی طور پر بھی حنفی تھے اور تعلیم و درس میں بھی حنفی تھے ہمارے نزدیک وہ

ایسے تھے کہ ایک امیرالامراء کسی کو وزارت عامہ پر قوت عملیہ کے نظم کے لئے مامور کرنا تھا۔

امام ولی اللہ میں قوت نظریہ زیادہ تھی بہ نسبت قوت عملیہ کے اور امام عبدالعزیزؒ اپنے والد کے نظریات کے ماتحت قوت عملیہ زیادہ رکھتے تھے۔

ان چار اماموں کو ہم الف ثانی کا امام تسلیم کرتے ہیں۔ یعنی ہندوستان میں اسلام کے گئے دوسرے ہزار سال کے مجدد تھے۔ اور ہم بقدر امکان و استطاعت انہی کے طریقہ پر عمل کرتے ہیں۔ واللہ الموفق۔

قولہ تعالیٰ	خدا کا فرمان!
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۱۸۳	مسلمانو! جس طرح تم سے پہلے لوگوں یعنی اہل کتاب پر روزہ رکھنا فرض تھا تم پر بھی فرض کیا گیا تاکہ تم بہت سے گناہوں سے بچو وہ بھی گنتی کے چند روز ہیں اس پر بھی تم
أَيَّامًا مَّعْدُودَاتٍ ۚ فَمَن كَانَ مِنكُم مَّرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ ۚ وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ ۖ فَمَن تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهُ ۚ وَأَن تَصُومُوا خَيْرٌ لَّكُمْ ۖ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ۱۸۴	میں سے جو شخص بیمار ہو یا سفر میں ہو تو دوسرے دنوں میں گنتی پوری کر دے اور جن کو کھانا دینے کا مقدور ہو بہتر ایک روزے کا بدلہ ایک محتاج مسکین کو کھانا کھلا دینا اور جو شخص اپنی خوشی سے نیک کام کرنا چاہے تو اس کے حق میں بہتر ہے۔ اور سمجھو تو روزہ رکھنا تمہارے حق میں بہتر ہے۔

امت سب کی سب یعنی تمام افراد امت تعلیم یافتہ ہو۔ اور عمومی تنظیم ایک دوسرے سے حاصل کریں۔ یہ تعلیم اجتماعیۃ متوسطہ میں جبری اور حتمی ہونی چاہیئے۔

اللہ تعالیٰ نے برس میں ایک مہینہ اس تعلیم کے لئے مخصوص کر دیا ہے اور تعلیم کے معنی ہمارے نزدیک یہ ہیں کہ قوت دماغیہ اور قوت ارادیہ دونوں کی اصلاح ہو جائے اور تعلیم کے یہ معنی نہیں ہیں کہ صرف الفاظ اور کلمات علمیہ رٹا دیئے جائیں بلکہ تعلیم وہ ہے جس سے قوت دماغیہ اور قوۃ ارادیہ کی اصلاح ہو۔

پس روزوں کا مہینہ اصلاحِ قوتِ باطنیہ کے لئے مجرب ہے اس مہینہ میں انسان کے قوائے حیوانیہ کی اصلاح ہو جاتی ہے جس کی تعبیر ہم صحت و تندرستی سے کرتے ہیں اور جبکہ فارغ البالی چاہتی ہے

تو روزہ روزیدار کے لئے اعمال و کاروبار سے تعطل کا سبب ہوجاتا ہے اور اسے کافی وقت تعلیم کا مل جاتا ہے
اور اسی طرف آیت (۱۸۳، ۱۸۴) میں اشارہ ہے ۔

قولہٗ تعالیٰ | قول تعالیٰ
لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۱۸۳ | تاکہ تم متقی بن جاؤ ۔

یعنی صحیح و تندرست ہوجاؤ اور تمہارے قویٰ اعتدال پر آجائیں[1] اور تم تمام عمل کے صالح بن جاؤ
اس کے معنی یہی ہیں کہ تم تقویٰ کی استعداد و قابلیت پیدا کر لو ۔

چند روز کے یہ روزے ایک قوی تاثیر رکھتے ہیں جبکہ متوالی اور متواتر رکھے جائیں اور یہ انسانی قویٰ
کی تعدیل کے لئے ایک مجرب طریقہ ہے ۔

قولہٗ تعالیٰ | خدا کا فرمان!
وَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ؕ | اور جو بیمار ہو یا سفر میں ہو تو وہ دوسرے دنوں سے اپنی گنتی پوری کرلیں

ان معدود ایام میں لوگ اپنے تمام اعمال کو ترک کر دیتے ہیں اور صرف روزوں میں مشغول ہوجاتے
ہیں تو یہ تقویۃ اجتماعیۃ کا سبب بن جاتے ہیں ۔ اگر کسی کو کوئی عذر ہو مرض یا سفر تو وہ اس فرض کو دوسرے
دنوں ادا کرے ۔ ایسا شخص فوائد اجتماعیہ سے محروم رہے گا لیکن فوائد نفسیہ سے محروم نہیں رہے گا اور

وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ ؕ | اور جن کو کھانا کھلانے کا مقدور ہو ان پر ایک روزے کے بدلہ ایک مسکین کو کھانا کھلانا ہے ۔

روزے دار جب کھانا پینا چھوڑ دیتا ہے تو بسا اوقات یہ اس کی طبیعت میں شح اور بخل پیدا کر دیتا ہے
اور وہ اس لئے کھانا پینا چھوڑ دیتا کہ مال جمع کرے ۔ اور اس لئے ان پر واجب کر دیا کہ ایسے لوگ طعام تمیم
صوم کے لئے صدقہ میں دیں ۔ اور اسی کی طرف اس قول خداوندی میں اشارہ ہے ۔

وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ | اور جن کو کھانا کھلانے کا مقدور ہو ان پر ایک روزے

---

(۱) اور اس بارے میں حدیث وارد ہے صوموا تصحوا و سافروا تربحوا روزہ رکھو تم صحیح اور
تندرست ہوجاؤ گے ۔ اور سفر کرو نفع اٹھاؤ گے ۔ (محمد نور)

طَعَامُ مِسْكِينٍ کے بدلہ میں ایک مسکین کو کھانا کھلانا ہے ۔

مفسرین قدیم زمانہ سے اس آیت کی تفسیر میں خلط ملط کرتے چلے آئے ہیں ۔ سوائے امام ولی اللہ دہلوی کے ۔ انھوں نے اس کی تفسیر جیسی کرنی چاہیئے تھی کی اور اس کا اشکال دور کیا وہ کہتے ہیں اصل ترتیب اس طرح ہے ۔

فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ عَلَى — مسکین کو کھانا کھلانا ان پر ہے جو کھلانے کا مقدور

الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ — رکھتے ہوں

یطیقونہٗ کی ضمیر کا مرجع طعام ہے اور مبتدا نکرہ ہے اس لئے مؤخر کر دیا گیا ہے اور اسی کو امام "فراء" نے اس آیت کے معانی بیان کرتے ہوئے بیان کیا ہے وہ کہتے ہیں۔ یہ ضمیر صیام کی طرف نہیں ہے (۱)

اس وقت اس کے معنی یہ ہوں گے کہ جو شخص کھلانے کی طاقت رکھتا اس پر کھلانا بھی واجب ہے تاکہ اس کے روزے پورے ہوجائیں اور وہ شح اور بخل کا عادی نہ بن جائے پس اگر ایک مسکین کے کھانے سے زیادہ کھلا دیا تو یہ اس کے حق میں خیر اور بھلائی ہوگا ۔ اور یہی اصل مصلحت ہے ۔

پھر ایک صورت قانون ہے جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنایا اور وہ یہ کہ فدیۂ مذکورہ یوم فطر یعنی عید کے دن ادا کیا جائے اور مہینہ کے روزوں کے بدلہ میں دوسری صورت سے فدیہ ادا کیا جائے اور وہ یہ کہ گھر کے تمام افراد روزے دار ہوں یا غیر روزے دار، یہ فدیہ ادا کریں، تو فدیہ کی یہ کثرت، کثرت ایام کے قائم مقام ہو جائے گی ۔ اور لوگوں کے لئے اس پر عمل کرنا سہل و آسان ہو جائے گا ۔ جب یہ لوگ تمام کے تمام اپنے اپنے روزوں سے فراغت پالیں تو اپنے پروردگار کا شکر ادا کریں ۔ اور خوشی و رغبت سے صدقہ نکالیں ۔

اور پھر تمام گھر کے لوگوں کی جانب سے خواہ چھوٹے ہوں یا بڑے ہوں صدقہ نکالیں ۔ تاکہ ان کے قلوب اس سے متاثر ہوں ۔ اور پوری جرأت و دلیری کے ساتھ خدا کا شکر ادا کریں کہ اس نے ان کو زندہ رکھا

---

(۱) اور ایسا ہی امام جصاص حنفی نے اپنی کتاب "احکام" میں بعض فقہاء سے نقل کیا ہے اگر یہ تو وہ اس کے قائل نہیں ہیں ۔ کتبہ محمد نور

اور صحت بخش امر کا اکتساب کیا۔

یہ باعتبار اس ایثار کے تھا۔ جو مسلمان دور اول میں واجب اور لازم سمجھتے تھے اور تطوع اور نفل تھند تو آج تک مسلمانوں میں باقی موجود اور جاری ہے۔ مومن مسلمان روزانہ مسکینوں کو کھانا کھلایا کرتے ہیں۔

یہ بیان زکاۃ فطر کی تشریع کی رُو سے تھا۔ اور یہ امام ولی اللہؒ کی تفسیر ہے اور ہمیں اس کی بُو امام محمدؒ کے کلام میں بھی ملتی ہے لیکن عام فقہاء اور علماء اس سے غفلت برت رہے ہیں اور بہت سی ترا فات وہ پیش کرتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے کلام کو اپنے کلام سے اندازہ لگاتے ہیں حرف "لا" اپنی جانب سے زیادہ کر دیتے ہیں۔ اور کلمہ یطیقونہ، لا یطیقونہ گردانتے ہیں۔

تنبیہ

کفارۂ ظہار میں طعام کی مقدار متعین نہیں ہے

کفارۂ ظہار یہ ہے کہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلایا جائے۔ طعام کی مقدار معین و مقدر نہیں ہے لیکن امام محمدؒ اپنے شیخ و استاذ کی اتباع میں اس صدقہ کو صدقۂ فطر کے مثل قرار دیتے ہیں اور صدقہ فطر کتاب اللہ میں مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے اور اسی کی طرف امام محمدؒ نے اپنے کلام میں اشارہ بھی کیا ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ اور اقرار و اعتراف بھی کرتے ہیں۔ امام ولی اللہؒ کی قوۂ فکر بہت بڑی تھی۔ اگر امام ولی اللہؒ آگاہ نہ کرتے تو ہم اس بارے میں کوئی چیز نہ سمجھ سکتے۔

خدا کا فرمان!	قولہٗ تعالیٰ
اور سمجھو تو روزہ رکھنا تمہارے حق میں بہتر ہے۔	وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ

اس جملہ کا ربط و تعلق خدا کے اس قول سے ہے۔

تم پر روزے فرض کئے گئے ہیں۔	كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ

اور خبر سے مراد و مقصد تعدیل قوی ہے۔ یعنی قوم میں اعتدال پیدا کرنا پھر اللہ تعالیٰ نے ایام معدودہ کو رمضان کا مہینہ متعین کیا ہے۔ رمضان مہینہ ہی مبداء نزول قرآن کا ہے اور اسی وجہ سے اس نے فرمایا ہے۔

الَّذِیٓ اُنۡزِلَ فِیۡهِ الۡقُرۡاٰنُ ۔ وہ ماہ رمضان جس میں قرآن نازل کیا گیا ہے۔

انزل فیہ القرآن کے بارے میں ہمارا نظریہ ہے اور نظریہ کی اصل سر سید احمد خان مرحوم بانی علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے ماخوذ ہے اس اصل پر ہم نے اضافہ کر کے اس کو مکمل کر دیا ہے۔ اسی بناء پر میں کہتا ہوں یہ مسئلہ رمضان کی راتوں کا ہے۔ رمضان کا دن اس رات کے تابع ہے جو بعد میں آتی ہے۔ جس طرح کہ عرفہ کا دن بعد والی رات کے تابع ہے اور یہ وہ رات ہے جو نویں اور دسویں دن کے درمیان آتی ہے تو جس طرح ہم نے سنت عرب کو موسم حج میں ترک کر دیا کہ رات کو دن پر مقدم سمجھیں اسی طرح ہم نے رمضان کے دنوں کو راتوں پر مقدم رکھا اور فقہاء نے اس کی تصریح نہیں کی۔

آثار و روایات سے پتہ چلتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے معتکف میں صبح کی نماز کے بعد داخل ہوتے تھے اور معتکف سے عید کی نماز کے بعد صبح نکلا کرتے تھے۔

اور ہم بعض صحابہؓ کو بھی پاتے ہیں کہ وہ لیلۃ القدر دن کے تابع قرار دیتے ہیں وہ ستائیسویں شب ستائیسویں دن کے تابع مانتے تھے۔ اور یہ روایت صحیح مسلم کے اندر موجود ہے۔ اگرچہ ہم اپنے مشائخ دیکھتے ہیں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعتکاف کے بارے میں اور ستائیسویں رات کے بارے میں بہت کچھ تکلف و تاویل کرتے ہیں۔ لیکن ہم اس تاویل و تکلف کو چھوڑ کر ظاہر حدیث کی پیروی کرتے ہیں۔

ہمارے نظریہ کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حرا میں رمضان کے تینس ۳۰ روزے رکھے تھے جیسے حضرت موسیٰؑ نے سینا پر تیس روزے رکھے تھے اور ستائیسویں شب کو قرآن اترنے کی ابتداء ہوئی۔

یہ ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روزے سنن انبیاء کی رو سے الہام طبعی کے مطابق ہوا کرتے تھے اور عید کا مقصد تذکار نزول قرآن ہے اور ہم پر لازم ہے اس طرح ہم روزے رکھا کریں جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حصول برکات قرآن کے لئے روزے رکھا کرتے تھے۔

قولہٗ تعالیٰ — خدا کا زمان!

شَهۡرُ رَمَضَانَ الَّذِیٓ اُنۡزِلَ فِیۡهِ الۡقُرۡاٰنُ هُدًی لِّلنَّاسِ وَبَیِّنٰتٍ مِّنَ الۡهُدٰی وَالۡفُرۡقَانِ ج

روزوں کا مہینہ رمضان کا ہے جس کے بارے میں خدا کی طرف سے قرآن میں حکم نازل ہوا۔ اور قرآن لوگوں کا راہ نما ہے اور اسمیں ہدایت اور حق و ناحق کی تمیز کے کھلے کھلے احکام موجود ہیں۔

اس میں یہ تعلیم ہے مسلمان اس مہینہ میں عمومی تعلیم حاصل کریں اور قرآن حکیم پر غور و تدبر کریں ۔

فَمَنْ شَهِدَ مِنكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ؕ

مسلمانو! تم میں سے جو شخص اس مہینے میں زندہ ہو تو وہ روزہ رکھے ۔

یہ تحصیل ع ا کی برکتیں ہیں ۔

وَمَنْ كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ ؕ يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ؕ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَىٰ مَا هَدَاكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ۱۵۵

اور جو بیمار ہو یا سفر میں ہو تو دوسرے دنوں میں گنتی پوری کرلیں ۔ اللہ تمھارے ساتھ آسانی کرنا چاہتا ہے ۔ اور تمھارے ساتھ سختی نہیں کرنا چاہتا اور وہ حکم اس غرض سے دیئے ہیں کہ تم روزوں کی گنتی پوری کرلو اور تاکہ اللہ نے جو تم کو راہ راست دکھائی ہے اس نعمت پر اس کی بڑائی کرو تاکہ تم اس کا احسان مانو ۔

(جاری ہے)